سفارتی تعلقات کے لیے پیغمبرانہ حکمت عملی اور اس کی معاصر معنویت

Prophetic Strategy to Diplomatic Relations and Its Contemporary Significance

Aqsa Tasgheer

Doctoral Candidate Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore

Samreena Gulzar

Doctoral Candidate Department of Islamic Thought and Civilization, University of Management and Technology, Lahore

Abstract

The significance of diplomatic relations is undeniable and absolute in the contemporary age. It is almost impossible for a nation to survive without tying bonds with neighboring countries. Materialistic gains have received a lot of consideration in the modern-day global relations framework, while morality and faiths have been overlooked. In Islam, diplomacy is much more than just gaining benefits for the country. From an Islamic perspective, the broad laws of diplomacy and the method in which the Islamic sovereign interacts with other countries and organizations will be studied in this article. Diplomacy in Islam is preferable to exchange material benefits and privileges since its goal is to achieve human enlightenment through heavenly precepts. Ultimately, the Islamic regime views other nations as brothers or neighbors striving to organize ties, rather than as a source of oppression. The Seerah of Holy Prophet (PBUH) provides an extensive and comprehensive diplomacy pattern to foster harmony and international relation. By applying descriptive and qualitative research methods, this

article will highlight the Prophetic approach to diplomatic relations that stipulates a framework to harmonize and systematize contemporary international relations.

Key Words: Diplomatic Relations, Prophetic Strategy, Contemporary Significance

تمہید

نبی آخر الزماں محمد ﷺ کی ہر گوشۂ بندگی اور ہر میدان ہائے بندگی میں راہنمائی فراہم کرتی ہے۔ سیرت رسول ﷺ انسانیت کو یک جہتی، ہم آہنگی، رواداری اور امن و آشتی کی بے نظیر مثالیں فراہم کرتی ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات انفرادی اور اجتماعی پہلوہائے زندگی کے لیے مینارۂ ہدایت و نور ہیں۔ آپ ﷺ نے روئے زمین پر ریاستِ مدینہ کے نام سے ایک ایسی ریاست کی نظیر پیش کی جو آنے والی تمام ریاستوں اور زمانوں کے لیے حکومت و سیاست اور بین الاقوامی تعلقات کے مناہج فراہم کرتی ہے۔ آپ ﷺ کی بے نظیر قیادت وسیاست اور اعلی سفارتی حکمت عملی کا ہی نتیجہ تھا کہ نہایت ہی کم عرصہ میں قلیل خونریزی کے ساتھ اسلامی ریاست کی سرحدیں وسیع ہوتی چلی گئیں۔ آپ ﷺ نے بین الاقوامی سفارتی تعلقات کو برادرانہ اورانسانی خطوط پر استوار کیا جبکہ اس وقت عرب نہایت ہی اجڈ اور وحشی قوم سمجھے جاتے تھے۔ بین الاقوامی تعلقات اور امن وآشتی کے قیام کے لیے آپ ﷺ کی یہ سفارتی حکمت عملی دورِ حاضر میں قابلِ تقلید ہے۔ یہ ایسی بے نظیر اور شاندار حکمتِ عملی تھی جس کے بعد اس وقت کی متمدن اور غیر متمدن دنیا کو اپنی کوتاہیاں واضح ہونے لگیں، اور بین الاقوامی روابط میں ایک نئے رجحان کا آغاز ہوا جس کی بنیادی محض ذاتی مفادات اور تحفظ نہ تھا بلکہ دین و آخرت کی اجتماعی فلاح اور رضائے الٰہی بھی تھا۔

سفارت کی اہمیت

سفارت وہ عہدہ و منصب ہے جو سیاسی طور پر اور بین الاقوامی سطح پر اپنے ملک کا نمائندہ بن کر دوسرے ممالک کے سامنے اپنے ملک کا موقف رکھتا ہے اور عالمی رائے کو اپنے ملک کے حق میں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے دورِ جدید میں اس منصب کو ملکی سیاست میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ احمد عطیۃ اللہ لکھتے ہیں: فهو اعلىٰ مراتب السلك الدبلوماسی، و هو رئيس بعثة دبلوماسية تعرف بالسفارة[1] پس وہ ڈپلومیسی کے باب میں ایک اعلیٰ مرتبہ ہے جو سیاسی روابط کا رئیس ہوتا ہے اور سفارت کے نام سے پہنچانا جاتا ہے۔

مختلف اقوام اور ریاستوں کے درمیان باہمی تعلقات اور مصالحانہ روابط قائم رکھنے کے لیے قدیم زمانہ سے سفارتوں کا وجود بے ربط انتظام اور سرگرمیوں کی صورت میں نظر آتا ہے، جنگی معاملات ہوں یا تجارتی امور، اس ادارے کی ضرورتوں کو کبھی نظر انداز نہیں کیا گیا، ریاستی امور و قوانین، تہذیب و ثقافت میں یہ عہدہ ہمیشہ سے موجود رہا، اگرچہ زمانہ قدیم میں اس کی مختلف صورتیں اس قدر ترقی یافتہ نہ تھیں لیکن پھر بھی اس منصب کی سیاسی حیثیت اور مقام نمایاں رہا لیکن اس کے باوجود سفراء کو ایک جاسوس کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور اس کو ریاستی جاسوس اور دیانت دار کاذب سے تعبیر کیا جاتا رہا۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی سفارتی حکمت عملی نے اس ضمن میں انقلابی اصول ہائے سفارت مہیا کیے۔ آپ ﷺ نے اپنی سفارت کی بنیاد کسی دنیاوی

غرض و مفاد پر نہیں رکھی بلکہ الہامی تعلیمات پر رکھی۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سفارتی حکمت عملی دفاعی، حفاظتی یا مفاداتی نہ تھی بلکہ دینی تھی۔ ان تمام سفارتی تعلقات میں مادی مفادات کا حصول بالتبع تو تھا البتہ ہدف اصلی توحید کی دعوت لوگوں تک پہنچانا تھا۔ ارشد عقیلی لکھتے ہیں:و تعدهذه الخطوط نقطة هامة فى تاريخ العرب والاسلام ، ليس لآ ن الرسول سوف يوحد عرب الجزيرة العربية تحت رأ ية الاسلام و لكن لان هو لاء العرب بعد ان اعتنقواالاسلام و تمثلوه رسالة السماء[2] اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی یہ مراسلاتی سفارت عرب کی تاریخ میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے اگرچہ اس سے مراد محض پورے عرب کو اسلامی جھنڈے کے تحت ایک قوم بنانا مقصود نہیں تھا بلکہ ان کو اسلام کی دعوت پہنچانا مقصود تھی کہ وہ یا تو اسلام قبول کرلیں یا پھر آسمانی دعوت کے تحت اطاعت شعاری کا مظاہرہ کریں۔ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سفارتی حکمت عملی سے متعلق محمد عبداللہ عنان رقم طراز ہیں

> كانت هذه السفارات والكتب النبوية عملاً بديعاً من اعمال الدبلوماسية بل كانت اول عمل قام به الاسلام فى هذه الميدان و لم يكن النبىﷺ يتوقع ان يلبى اولئك االاقوباء دعوته و هو ما يزال يكافح فى ما بين قومه و عشيرته بيد ان ايفاد هذه البعوث كان عملاً معماً للرسالة النبوية[3]
>
> ڈپلومیسی کے باب میں یہ سفارت اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے خطوط ایک نیا عمل تھا جس کو اسلام نے اس باب میں پہلی دفعہ متعارف کرایا اور یہاں تک کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو بھی یہ توقع نہیں تھی کہ یہ طاقت کے نشے میں مست لوگ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی دعوت پر یوں لبیک کہیں گے۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خود اپنے خاندان اور قبیلہ میں اس دعوت کو چلارہے تھے کیونکہ ان وفود کے ارسال کی افادیت خود رسالتِ نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے لیے بھی معمہ بنی ہوئی تھی۔

چنانچہ رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سفارتی حکمت عملی ایک جدت اور نیا پن لیے ہوئے تھی۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنے دور کی سپر پاورز کو دعوتِ اسلام دی اور ان کے قبول و عدم قبولِ اسلام کے لیے خدائے بزرگ و برتر کی ذات پر بھروسہ رکھا۔ اگرچہ کئی حکمرانوں نے اس دعوت کو نہایت غرور کے ساتھ مسترد کردیا یہاں تک کہ مسلمان سفیر کو شہید بھی کیا گیا مگر مجموعی طور پر آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سفارتی حکمت عملی کامیاب رہی کیونکہ قلیل عرصہ میں اس کے نتائج عرب اور اس کے قرب وجوار میں ظاہر ہونا شروع ہوگئے تھے۔

بین الاقوامی تعلقات اور سفارت کی ضرورت

انسان فطرتاً معاشرت پسند ہے اور اپنی متنوع احتیاجات کے لیے اپنے ہم جنسوں کا متقاضی ہے۔اسی طرح ریاستی سطح پر تعلقات کا معاملہ ہے۔ ایامِ قدیم میں جب انسانی معاشرہ وجود میں آئے تو مختلف معاشروں کا آپس میں تعامل ہوا اور جب معاشرہ کا دائرہ کار وسیع ہوکر ریاستوں کی صورت اختیار کرگیا۔ یہ ریاستیں بھی ایک دوسرے سے مختلف مقاصد کے تحت روابط رکھتی تھیں۔ چنانچہ بین الاقوامی تعلقات کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ اقوام اور ریاستوں کی تاریخ۔ موجودہ دور میں کوئی

بھی ریاست دوسری ریاستوں سے کلیتاً بے نیاز نہیں رہ سکتی۔ ازمنہ قدیم میں بین الاقوامی تعلقات استوار کرنے اور ان کو بڑھانے کے لیے سفارت کا عہدہ موجود رہا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات اور سفارت لازم وملزوم ہیں۔

جب سے تہذیب وثقافت اور ریاستی امور وقوانین وضع کیے گئے تب سے سفارت کا عہدہ قصرِ سیاست پر پوری آب وتاب سے لہرارہاہے۔ یونانی، رومی، چینی اور ایرانی سیاسیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتاہے کہ ان کے ہاں سفارت کا عہدہ موجود تھا۔ زمانہ جاہلیت میں جب عرب معاشرتی اعتبار سے مختلف گروہوں، جماعتوں اور قبائل میں منقسم رہے اور ان میں صدیوں پرانی رقابتیں اور عداوتیں چلی آرہی تھیں، تب بھی وہ اصلاح احوال اور حل تنازعات کے لیے سفارت پر یقین رکھتے تھے۔ نیز اپنے قبیلے سے سفارت کے لیے اس فرد کو منتخب کرتے جو طاقت، فصاحت وبلاغت، ہمت وجرأت، شجاعت اور معاملہ فہمی میں یکتائے زمانہ ہوتا۔[4]

انسان ہمیشہ سے اپنی معاشرتی زندگی کے مفادات کے حصول کی خاطر باہمی تعاون واتحاد اور ہم آہنگی کے جذبات کو فروغ کے مساعی سرانجام دیتارہاہے۔ ازمنہ قدیم میں زندگی محدود تھی چنانچہ معاشرہ کا دائرہ کار چند نفوس اور خاندانوں پر مشتمل تھا۔ لیکن بتدریج یہ قافلہ اقوام کی شکل اختیار کرتا گیااور زمین کے مختلف خطوں میں رہائش پذیر ہوا۔ ان متعلقہ خطوں میں انسانی گروہوں نے اپنے اقتدار وحکومت کی بنیادرکھی۔ حیاتِ انسانی کی مادی وغیر مادی ضروریات کی تکمیل کے لیے اگر کسی خطہ میں کاملاً وسائل میسر نہ آئے تو اپنی حدود سے باہر بھی ان کے حصول کی سعی کی گئی جس سے بہر حال دیگر اقوام اور ریاستیں اثر پذیر ہوئیں۔ مفادات کا یہ ٹکراؤ کبھی دشمنی میں ڈھل کر لڑائی جھگڑوں کے بعد جنگوں کی شکل اختیار کرگیا۔ قوت کے اس استعمال اور اس کی ہولناکیوں نے انسان کو باہمی تعاون کا سبق دیا۔ اختلافات وتنازعات کی بنیاد بننے والے مسائل ومفادات میدانِ جنگ کے علاوہ مذاکرات کے ذریعہ بھی حل کیے جانے لگے۔ معاہدات میں ایسی شرائط رکھی جانے لگیں جو کہ فریقین کے لیے قابلِ قبول ہوں اور اس سے دوسروں کے مفادات کو بھی زک نہ پہنچے۔ یہ احساس بتدریج نمو پاتا رہاکہ حصولِ مفادات میں حق، ضرورت اور اعتدال کی راہوں کو اپنائے بغیر نظام زندگی ترقی نہیں کرسکتا۔

تاریخ انسانی شاہد ہے کہ ہر دور میں ریاستوں کے اختلافات استعمالِ قوت وعدم قوت دونوں صورتوں میں منتج ہوئے۔ ازمنہ قدیم بے شمار ایسی مثالوں کے حامل ہیں کہ کسی ریاست نے اپنے مفادات کے حصول کے لیے دوسری ریاست پر جنگ مسلط کی اور دورانِ جنگ بھی باہمی شرائط پر اتفاق کرنے کے مواقع میسر آئے یاجنگ میں فتح وشکست کے بعد معاملات کے واضح تعین کے لیے شرائط کی جاسکیں۔ مذکورہ بالا تمام صورتوں میں مذاکرات کے لیے بعض افراد کوبحیثیت ایلچی یا سفیر دیگر ریاستوں کے سربراہوں پاس بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ امن وترقی کے ساتھ ساتھ دفاع کے لیے بھی مختلف نظام ہائے سیاست نے نمو پائی۔ یہ تمام اہداف ومقاصد سفارتی نظام کی اہمیت کے شاہد ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی سفارتی حکمت عملی۔ عصری قومی وبین الاقوامی تعلقات کے لیے راہنمائی

سفارت اور بین الاقوامی تعلقات مختلف وسیلوں سے نمو پاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی ایسی سفارتی حکمت عملی وضع کی جس میں اس زمانے کے مستعمل وسائل کا بھرپور استعمال کیا گیا۔ آپ ﷺ نے بین الاقوامی تعلقات کے لیے سفارت کا شعبہ قائم

کیا تو اس کے تحت با قاعدہ سفراء و وفود بھیجے گئے، مکتوبات لکھے گئے اور معاہدات کیے گئے۔ اگرچہ عہدِ رسالت میں دورِ حاضر کی طرح ترقی یافتہ وسائل میسر نہ تھے مگر سفارتی تعلقات کے قیام اور بڑھوتری کے لیے مکتوبات، سفراء، وفود کی آمد و رفت اور معاہدات کا بھرپور نظام موجود تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ دین آفاقی تھی، یہ دین کوئی نسلی، رسوماتی یا علاقائی دین نہ تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دینِ اسلام کی تبلیغ کے لیے مختلف حکمرانوں اور ریاستوں کو سفراء کے ہاتھ مکتوبات بھیجنے کا وسیلہ اختیار کیا۔ آپ ﷺ کی سفارتی حکمت عملی محض قومی سطح پر ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی کامیاب اور قابلِ تقلید ہے۔ ذیل میں مختلف قومی و بین الاقوامی حکمرانوں سے آپ ﷺ کے سفارتی تعلقات کا جائزہ لیا جائے گا تاکہ دورِ حاضر میں ان سے استفادہ کیا جاسکے۔

قومی سطح پر سفارتی تعلقات کے لیے پیغمبرانہ حکمت عملی

یہود سے سفارتی تعلقات

نبی کریم ﷺ نے جس طرح دیگر اقوام و ممالک سے بین الاقوامی سفارتی تعلقات قائم کیے اسی طرح قومی سطح پر بھی سیاسی و سفارتی تعلقات استوار کیے۔ ظہورِ اسلام سے قبل یہود عرب میں جگہ جگہ سکونت پذیر تھے۔ ان میں یمن، خیبر، بحرین، تیما، فدک، وادی القریٰ، مقنی اور خاص کر مدینہ کے قرب و جوار شامل ہیں۔ ان علاقوں میں یہود قبائل کی ایک کثیر تعداد آباد تھی۔[5] نبی کریم ﷺ کی بعثت کے وقت مدینہ کی کم و بیش نصف آبادی یہود پر مشتمل تھی۔ یہود کی جزیرہ عرب میں سکونت پذیری کی تاریخ کے متعلق کوئی مستند بات موجود نہیں۔ ظہور اسلام کے وقت تک یہ لوگ عرب باشندوں کی طرح عربی ہی بولتے تھے (مگر عبرانی رسم الخط میں لکھتے)۔ یہود کے بچوں حتیٰ کے قبائل کے نام بھی عربی میں تھے۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد آپ ﷺ نے باقاعدہ یہود سے سفارتی تعلقات قائم کیے۔ آپ ﷺ نے میثاقِ مدینہ کا معاہدہ کیا جس کی رو سے بیرونی حملوں کے خلاف شہر کے دفاع کا ایک منظم نظام قائم کیا گیا۔ یعنی کہ ان سفارتی تعلقات کا مقصد اجتماعی دفاع و امن و امان کا قیام تھا۔ یہ باہمی تعلقات رواداری اور بقائے باہمی کی روشن مثال تھے۔ " مسلمانوں اور یہودیوں کے باہمی معاہدے کے اقتباسات اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں کہ کس طرح مدینہ آتے ہی پیغمبرِ اسلام کی ذات گرامی مقامی سیاست، انتظام مملکت اور انصاف کے معاملات میں گھر گئی تھی، ایک قابل سربراہ کے لیے جس کی اپنی جماعت روبہ ترقی ہو اور اس کے ارکان میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہو، یہ بات ناگزیر ہو جاتی ہے کہ وہ ان امور پر توجہ دے جو جو معاشرت، معیشت اور انصاف کے لیے ضروری ہیں۔[6]

اس وقت مدینہ میں یہود کے کئی قبائل آباد تھے مگر بنو قینقاع، بنی نضیر اور بنو قریظہ کے قبائل سرفہرست تھے۔ مدینہ کے خطہ کی معیشت اغلب طور پر یہود کے ہاتھ میں تھی۔ آپ ﷺ نے مہاجرینِ مکہ کے درمیان مواخات قائم کرکے تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ آپ ﷺ نے یہود کو بھی دعوتِ اسلام دی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ یہود نے سفارتی و دفاعی تعلقات قائم کرنے کے باوجود بارہا بدعہدی کی۔ ابن سعد طبقات الکبریٰ میں لکھتے ہیں: جب اسلامی ریاست مدینہ نے اندرونی طور پر مختلف حلیفانہ معاہدات سے اطمینان حاصل کر لیا تو جغرافیائی حالت اس بات کی متقاضی تھی کہ گردونواح کے قبائل جو ایک خود مختار حیثیت کے مالک ہیں۔ ان سے دفاعی معاہدہ کرکے اسلامی ریاست کو دفاعی طور پر مستحکم بنا دیا جائے تو غزوہ بدر کے بعد ان سے

دفاعی معاہدہ کیا گیا کیونکہ یہ قبیلہ بنوضمرہ کی ایک شاخ تھا جو جغرافیائی طور پر ایسے مقامات پر واقع تھا جہاں مسلمانوں کو دفاعی طور پر دشمن کے حال احوال کی اطلاعات بآسانی پہنچ سکتی تھیں اور ان اطراف سے اسلامی ریاست پر حملے کے مواقع کم ہو گئے۔ اس معاہدہ میں یہ بات ضروری قرار دے دی گئی کہ اگر کوئی دشمن اسلامی ریاست پر حملہ آور ہو گا تو قبیلہ جنگی حالت اور معاونت میں آپ ﷺ کے حکم کا پابند ہو گا۔[7] آپ ﷺ نے مدینہ تشریف لاتے ہی وہاں پر آباد مختلف قبائل بنوضمرہ، بنو جہینہ اور بنو مدلج وغیرہ سے معاہدات کیے جو آپ ﷺ کی سفارتی حکمتِ عملی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ عہدِ نبوی میں یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز خیبر تھا۔ غزوہ خندق کی بدعنوانیوں کے بعد یہود کی ریشہ دوانیوں کو روکنے کے لیے ان پر حملہ ناگزیر تھا، لیکن آخرکار وسیع خونریزی کے بغیر معاملات طے پا گئے اور امن قائم رہا۔ بعد ازاں یہود سے تعلقات تعلقات بہتر ہو گئے تھے، چنانچہ بازنطینیوں کے خلاف اختیار کی کوئی مہم تبوک میں تیماء، مقناء، جرباء اور اذرح والے یہودی خوشی خوشی اسلامی مملکت سے الحاق اور اس کی حفاظت قبول کرتے نظر آتے ہیں اور بظاہر اس زمانے میں بنو عریض کے یہودیوں کو غلے کی صورت میں آنحضرت ﷺ سے ایک اہم سالانہ بھی مقرر فرمایا تھا۔[8] یہود اگرچہ اس کے بعد بھی ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے مگر یہودیوں کا ایک طبقہ امن پسند تھا جس سے مسلمانوں کے سفارتی وسیاسی کے ساتھ ساتھ معاشی اور معاشرتی تعلقات بھی قائم تھے۔ ان سفارتی و معاشرتی تعلقات سے درس ملتا ہے کہ بقائے باہمی کے لیے جب سفارت کی جائے تو اس میں رواداری اور فلاح عامہ کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہونا چاہیے۔ نیز جب دشمن معاہدہ کرنے اور سفارتی تعلقات قائم ہونے کے بعد بھی وعدہ خلافی کرے تو اس کے خلاف اقدام کیا جا سکتا ہے۔

قریش مکہ سے سفارتی تعلقات

نبی کریم ﷺ نے اپنے ان دشمنوں سے بھی سفارتی تعلقات قائم کیے جن کی وجہ سے آپ ﷺ ہجرت پر مجبور کر دیے گئے تھے۔ ۵ ہجری میں قریش مکہ سے حدیبیہ کے مقام پر ہونے والا معاہدہ، سفارتی لحاظ بے حد اہمیت کا حامل تھا۔ میثاقِ مدینہ، یہود جیسے داخلی دشمن سے کیا جانے والا معاہدہ ہے جبکہ صلح حدیبیہ ایسے خارجی دشمن سے ہوا جو مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ سے برسر پیکار تھا۔ اس معاہدے نے سفارت کے ذریعہ پرامن بقائے باہمی کا درس دیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ڈاکٹر محمد یونس رقم طراز ہیں آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ سے مسلمانوں کی ایک علیحدہ قومیت اور حکومتی حیثیت کو منوالیا ورنہ عین ممکن تھا کہ جنگ ہوتی اور فریقین کی جانب سے ہزاروں جانیں تلف ہوتیں۔ معاہدہ صلح کے بعد مکہ اور مدینہ میں آمدورفت کا سلسلہ شروع ہوا۔ مکہ والے مدینہ آتے، مہینوں قیام کرتے اور مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے۔ باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہر مسلمان اخلاص، حسنِ عمل، پاکیزہ اخلاق کی ایک زندہ تصویر تھا۔ اس سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ اس کے علاوہ بنی غفار۔ اور دیگر قبائل سے جو معاہدات کیے گئے ان کے نتیجے میں بھی مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔[9] آپ ﷺ کی شاندار حکمت عملی تھی کہ آپ ﷺ نے سفارتی معاہدات کے ذریعے اسلام کو روز بروز طاقت بخشی۔ ان معاہدات کے بعد اسلام کی قوت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ ہجرت کے وقت مہاجر و انصار صحابہ کرام کی تعداد ۴۰۰ تھی۔ صلح حدیبیہ کے وقت یعنی ۶ ہجری میں یہ تعداد ۱۴۰۰ ہو گئی جبکہ فتح مکہ کے وقت مسلمانوں کا لشکر ۱۰۰۰۰

افراد پر مشتمل تھا۔ طائف کے محاصرے میں ۱۲۰۰۰ مسلمان شریک تھے اور ہجرت کے صرف ۱۰ سال قلیل عرصے میں سر زمین عرب کے وسیع و عریض حصہ اور کثیر تعداد افراد کو اسلام کا حصہ بنادیا۔ آپ ﷺ کی بے مثال بصیرت اور موثر نتیجہ خیز حکمت عملی کا نتیجہ تھا۔ جس میں میثاق مدینہ کو ایک اساسی سنگ میل کی حیثیت حاصل تھی۔[10] کتبِ تاریخ میں نبی کریم ﷺ کے معاہدات بنو عریض و بنو غازیہ، تبوک کا معاہدہ صلح، معاہدہ فداک، معاہدہ تیاء، معاہدہ جری اذرح،، معاہدہ ایلہ، معاہدہ مقناء، معاہدہ خزاعہ، معاہدہ بنو نجار، معاہدہ جزام بھی مذکور ہیں۔ ان معاہدات کے ذریعے امن و امان کے ماحول میں اشاعتِ اسلام کرنے کا موقع میسر آیا اور اسلام خوب پھلا پھولا۔ اسلامی ریاست بین الاقوامی تعلقات میں سفارتی معاہدات و مکتوبات کو دعوتِ اسلام کے ایک موثر ذریعہ کے طور پر استعمال کر سکتی ہے۔

بین الاقوامی سطح پر سفارتی تعلقات کے لیے پیغمبرانہ حکمت عملی

پہلی اسلامی الہیٰ ریاست مدینہ کے سربراہ اور نبی آخر الزماں ہونے کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ نے توحید کا پیغام نہ قرب و جوار بلکہ دور دراز کی حکومتوں کے سلاطین بھی پہنچایا۔ دعوتِ توحید کا یہ اصول آپ ﷺ کی سفارتی حکمت عملی میں ہمیشہ سر فہرست رہا جس کی عملی شکل اطراف عالم میں سربراہان مملکت کے نام جو سفارتی مہمات اور خطوط بھیجے گئے، اس سے بخوبی عیاں ہیں۔ اس سے بین الاقوامی تعلقات کے اصول مندرج ہوئے، جس میں سے اہم ترین یہ تھا کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام جاری ہو۔یکون الرسول ﷺ قد اختصر طریق الدعوة الاسلامية اور اكسبها مجموعة من الناس يدعوة رجل و احد و هو ملكهم او اميرهم[11] رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوتی کا یہ مختصر طریقہ دریافت کیا کہ ایک آدمی کو تمام لوگوں میں سے دعوت دی جائے، جو ان کا بادشاہ اور امیر ہو۔

آپ ﷺ نے امن پسند سربراہ کا ثبوت دیتے ہوئے جنگ کے بجائے سفارت کا وہ راستہ اختیار کیا جس سے آپ ﷺ کی دعوت تمام لوگوں تک پہنچنے کے لئے دروازے کھل گئے۔ السفارات النبویہ ﷺ کے مصنف رقم طراز ہیں:

> " ان عقد الرسول ﷺ صلح الحديبيه مع قريش و ما تلا ذلک من اخضاع يهود شما ل الحجازفی خيبر و وادی القریٰ و تيماء و فدک الی سيادة الاسلام فان الرسولﷺ لم يال جهدا لنشر الاسلام خارج الحجاز و كذلک خارج حدود الجزيرة العربية و قد عبر عليه السلام عن هذا المنهج قولاً و عملاً من خلال ارساله عددا من الرسل و لمبعوثين الی امراء اطراف الجزيرة العربية و الی الملوک العالم المعاصر خارج الجزيرة العربية و تعد هذه الخطوط نقطه تحول ها مة فی تاريخ العرب و الاسلام ليس لان الرسول سوف يوحد عرب الجزيرة العربية تحت رأية الاسلام فحسب ، و لكن هؤلاء العرب يعد أن اعتنقوا الاسلام و تمثلو ا رسالة السماءانيط بهم حمل الدعوة الاسلامية الی البشريه كافةً[12]

رسول اللہ ﷺ نے قریش کے ساتھ صلح حدیبیہ فرمائی اور اس طرح اس کے بعد والے معاہدات جس میں شمالی حجاز میں خیبر، وادی قریٰ، تیماء اور فدک یہود کو اسلامی قیادت کی طرف جھکا دیا اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے نشر و اشاعت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ حجاز سے باہر اور اسی طرح جزیرہ عرب کی حدود سے باہر تک پھیلا دیا اور آپ ﷺ نے اس منہج کو قولاً اور عملاً جامہ پہنا دیا کہ اپنے سفراء اور نمائندے مختلف امراء کی طرف بھیجے جو جزیرہ عرب کے اطراف میں تھے اور اسی طرح جزیرہ عرب سے باہر معاصر عالمی بادشاہوں کی طرف، اور آپ ﷺ کی یہ مراسلاتی سفارت عرب کی تاریخ میں بنیادی اہمیت کی حامل ہے اگرچہ اس سے مراد محض پورے عرب کو اسلامی جھنڈے کے تحت ایک قوم بنانا مقصود نہیں تھا بلکہ ان کو اسلام کی دعوت پہنچانا مقصود تھی کہ وہ یا تو اسلام قبول کرلیں یا پھر آسمانی دعوت کے تحت اطاعت شعاری کا مظاہرہ کریں۔ کہ جب وہ ایسا کرلیں گے تو آسانی کے ساتھ اسلامی دعوت ساری انسانیت تک پہنچادیں گے۔

اسلامی ریاست خارجہ تعلقات سے محض مادی وسائل یا فوائد کا حصول نہیں کرتی بلکہ دعوتِ توحید بھی انسانوں کے پہنچاتی ہے۔ اسلامی ریاست نے ممالک اور ریاست سے تعلقات کے ساتھ ساتھ ان کو دینِ حق کی طرف بھی دعوت دی بلکہ یوں کہا جائے کہ ان تعلقات کا بنیادی مقصد ہی اشاعتِ اسلام تھا، تو بے جانہ ہوگا۔ بلکہ یہی امر ہے جو کہ ایک اسلامی ریاست کو دیگر ممالک یا ریاستوں سے ممتاز کرتا ہے۔ العلاقات الخارجیہ کے مصنف بھی اشاعتِ اسلام کو خارجہ پالیسی کا بنیادی ہدف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:"و الدولة الاسلامية حين تنطلق فى الاطار الخارجي لتقين علاقات مع غيرها من الدول فانها تنطلق فى ذلک من موقف قوى ، و هو انها صاحبة المباداه فى حزة العلاقات تحقيقالغايات سامية ترتبط بالمنهج الذى قامت عليه دولة الاسلامية، وهو الدعوة الى االله ، فالدولة الاسلامية لم تنشاء لديها مسالة هذه العلاقات لتحقيق مصالح دنيوية مادية و لكن لتؤدى الغرض الذى قامت من اجله و هوا سيادة الاسلامية فى ارجاء المعمورة [13]اور اسلامی ریاست میں جب اطراف میں دوسرے ممالک کے ساتھ خارجہ تعلقات کا آغاز کیا تو وہ ایک مضبوط اور قوی موقف کے ساتھ میدان میں آئیں اور وہ یہ کہ اسلامی ریاست تعلقات کے باب میں پہلے سے ایک پروگرام رکھتی تھی جو عظیم مقاصد کے تحقق کے لیے تھا۔ جو اس پروگرام کے ساتھ بندھا ہوا تھا جس پر اسلامی ریاست کا قیام ہوا اور وہ دعوت الی اللہ ہے اور اسلامی ریاست کے دنیاوی اور مادی مصالح ان تعلقات کے راستے میں کبھی رکاوٹ نہیں بنے بلکہ اس کے ذریعے ان اغراض و مقاصد کا حصول یقینی بنایا تا کہ اس کی وجہ سے سیادت اسلامی کا قیام دنیا کے کونے کونے میں ممکن ہو جائے۔

پس اسلامی ریاست اپنے اس منہجِ اصلی کی وجہ سے عصرِ حاضر میں بھی سفارتی تعلقات میں دعوتِ الی اللہ اور اشاعتِ دین کی پابند ہے تا کہ اللہ کا یہ دین تمام انسانیت کے پاس پہنچ جائے۔

حبشہ سے سفارتی تعلقات

حبشہ (Abyssinia) کا علاقہ یمن کے قریب تھا اور اسے باب المندب کی تنگ گھاٹی علیحدہ کرتی ہے۔ قبل از اسلام اہل عرب اور اہل حبشہ کے قریبی اقتصادی تعلقات تھے۔ نبی کریم ﷺ نے حبشہ سے کامیاب سفارتی تعلقات قائم کیے۔ حبشہ سے اہل مکہ کے تعلقات قدیم تھے۔ مکہ میں جب مسلمانوں پر مظالم بڑھنے لگے تو آپ ﷺ نے انہیں حبشہ ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی اور شاہِ حبشہ کے نام ایک فرمان بھیجا، جس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دوست اپنے دوست کو خط لکھ رہا ہے، اس کا مطلب ہے کہ بضرور اہل حبشہ اور اہل مکہ کے تعلقات اتنے گہرے رہے ہوں گے کہ مشکل وقت میں یہ سفارتی اور حفاظتی حکمت عملی اپنائی کہ دوست ممالک میں مسلمانوں کو بھیجا جائے۔ آپ ﷺ نے ان کو باقاعدہ فرمان دے کر اپنے چچازاد بھائی جعفرؓ کے ساتھ روانہ کیا جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی حیثیت محض پناہ گزینوں کی نہ تھی، اس میں دوستانہ سفارتی تعلقات کی جھلک نظر آتی ہے۔ حبشہ جانے والے مسلمانوں کو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا فان بها ملكا لا يظلم عنده أحد، وهي ارض صدق، حتىٰ يجعل الله لن فرجا مما أنتم فيه[14] وہاں ایک بادشاہ ہے جس کے ملک میں ظلم نہیں ہوتا، وہ سچائی کی سرزمین ہے وہاں اللہ تعالیٰ تمہارے بچاؤ کی راہ نکالے گا۔

مسلمان حبشہ گئے تو توقع کے عین مطابق شاہِ حبشہ نے اچھا سلوک کیا اور بعد میں کچھ قریشِ مکہ مسلمانوں کی حبشہ آمد پر احتجاج کرنے کے لیے حبشہ آئے اور شاہِ حبشہ کو مسلمانوں سے بدظن کرنے کی سعی کی تو جعفر بن طیارؓ سامنے آئے۔ بادشاہ کو سجدہ کرنے سے انکار سے متعلق جعفر طیار نے وضاحت دی کہ "انا لا نسجد الا اللہ عزوجل"[15] ہم اللہ عزوجل کے سوا کسی کے آگے سجدہ میں نہیں جھکتے۔

پھر طویل مذاکرات میں حضرت جعفرؓ نے اپنے اور مخالفین کے درمیان متنازعہ عقائد کا ذکر کیا۔ نجاشی نے ان مذاکرات کے بعد مسلمانوں کو باعزت طریقے سے حبشہ میں زندگی گذارنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمان عصرِ حاضر میں بھی کسی خطرہ یا ظلم سے دوچار ہوں تو دوسرے ممالک سے سفارتی اور دوستانہ تعلقات کی بناء پر وہاں سکونت پذیر ہوا جا سکتا ہے۔ نیز نجاشی کا اپنے دربار میں جعفرؓ بن ابی طالب کی تقریری سن کر عادلانہ و برادرانہ بنیادوں پر فیصلہ کیا۔ عصرِ حاضر میں یہ برادرانہ تعلقات کی ایک اہم مثال ہے۔ نیز بعد ازاں جب بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تو ابن کثیر کے مطابق نجاشی نے اس خوشی کی خبر کو یوں پہنچایا ان جائنی من نحو ارضكم عين لی فأخبرنی أن الله قد نصر نبيه و أهلك عدوه و أسر فلان وفلان وقتل فلان وفلان[16] "میرے پاس تمہاری سرزمین سے ایک سچی خبر آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی مدد کی اور اس کے دشمنوں کو ہلاک کیا اور فلاں فلاں گرفتار اور فلاں فلاں قتل ہوئے۔

۲ ہجری میں بدر کی عبرت ناک شکست کے بعد مشرکینِ مکہ نے ایک بار پھر حبشہ کے مسلمانوں کو ملک بدر کروانے کے ارادہ سے ادھر کا رخ کیا مگر رسول اکرم ﷺ کو جیسے ہی ان سازشوں کا علم ہوا، آپ ﷺ نے ایک قاصد عمرو بن امیہ الضمریؓ کو حبشہ روانہ فرمایا تا کہ اس سازش کو ناکام بنایا جا سکے۔[17]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا سفارتی نظام بہت متحرک تھا اور دشمن سفارت سے پہلے ہی آپ ﷺ اپنی سفارتی حکمت عملی دور اندیشی سے طے کر لیتے تھے۔ اس وقت تک شاہِ حبشہ کو باقاعدہ دعوتِ اسلام نہ دی گئی تھی لیکن اس سفارت نے آنے والے وقت میں شاہِ حبشہ کے قبولِ اسلام کی راہ بھی ہموار کی۔ صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے جب دیگر امراء و سلاطین کے ساتھ ساتھ نجاشی شاہِ حبشہ (اصحمہ بن ابجر) کو مکتوب گرامی لکھ کر قبولِ اسلام کی دعوت دی تو اس نے نہ صرف قبول کی بلکہ نہایت سفیرِ رسول ﷺ کو بھی نہایت عزت و اکرام سے نوازا۔ بعد ازاں نجاشی کی وفات پر آپ ﷺ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا فرمائی۔ اس تکریم کے ذریعہ آپ ﷺ نے مسلم برادرانہ تعلقات کو نہ صرف ترقی دی بلکہ آج کے مسلمانوں کے لیے نظیر بھی مہیا کی۔ مسلم ممالک آج ان امثلہ کی تقلید کرتے ہوئے اپنے آپس کے تعلقات کو بہتر بنا سکتے ہیں۔ دورِ حاضر میں اگر سفارتی حکمت عملی میں ان خصوصیات کو اپنا لیا جائے تو کئی تنازعات کو حل کیا جا سکتا ہے۔

سفارتی مکتوبات

مکتوباتِ نبوی رسول اکرم ﷺ کی سفارتی حکمت عملی کا شاندار مظہر ہیں۔ مدینہ آنے کے بعد مرکز اسلام کے قیام و فروغ اور پیہم فتح سے اسلام کا نام اطراف و جوانب میں پھیل گیا تھا۔ اسلام کی عالمی حیثیت کے قیام و استحکام اور اشاعت کے حوالے سے یہ تمام سرگرمیاں عمومی نوعیت کی تھیں۔ البتہ صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے عالمی دعوت کے سلسلہ میں بطور خاص اہتمام فرمایا۔ چنانچہ اس بات کی تمام مورخین اور اصحاب سیر نے صراحت کی ہے کہ صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ نے متعدد شاہانِ عالم، فرمانروایانِ عرب اور دیگر روسائے قبائل کے نام خطوط و مکاتیب ارسال فرمائے۔[18] ان جملہ مکاتیبِ گرامی کا بنیادی مقصد دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ اشاعت اسلام اور قیامِ امن تھا۔ ان خطوط کو سب سے پہلے محرم ۷ ہجری میں مدینہ سے جاری کیا گیا۔[19] ابن سعد کے مطابق: رسول اللہ ﷺ نے چھ قاصدوں کی ایک جماعت کو مکتوبِ گرامی دے کر روانہ فرمایا۔ ان کو بھیجتے وقت آپ ﷺ نے ان پر یہ امر واضح فرما دیا تھا کہ میں چونکہ پوری امت کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، اس لیے اب موقع آ گیا ہے کہ میں سارے انسانوں سے خطاب کروں۔[20] ابن سعد کے اس بیان سے یہ نہ سمجھا جائے کہ مراسلت خطوط کے بارے میں یہ ایک ہی دفعہ ۶ یا ۷ ہجری میں بھجوائے گئے تھے بلکہ اس کے علاوہ بھی متعدد دوسرے سفیروں اور قاصدوں کو بھی رسول اللہ ﷺ نے عرب کے مقامی روساء اور بیرونی امراء کے پاس دعوتی خطوط اور فرامین ارسال فرمائے تھے۔ تاریخی شہادت کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ان دعوتی اور تبلیغی خطوط کا سلسلہ محرم ۷ ہجری سے ۱۰ ہجری کے اواخر تک جاری رہا۔ اس لیے ابن جریر طبری نے بھی مدتِ مراسلت وفات نبوی ﷺ تک شمار کی ہے۔[21] بلکہ ترمذی کی ایک روایت بھی اس بات کی شہادت دیتی ہے، ترمذی کے الفاظ یہ ہیں: ان رسول االله ﷺ كتب قبل موته يدعوهم الیٰ كسریٰ و قيصر و الى نجاشى و الى كل جبار يدعوهم الى االله[22] رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے قبل ہی کسریٰ و قیصر، نجاشی اور ہر صاحب اقتدار کے نام خط لکھا اور انہیں اللہ کی طرف دعوت دی۔

اس بحث سے تین نکات سامنے آتے ہیں:

1. مکاتیبِ نبوی صرف روم وفارس کے سلاطین کو نہیں بھیجے گئے بلکہ اس کے مخاطب دنیا کے تمام صاحبان اقتدار تھے۔
2. مکاتیب کا بنیادی مقصد دعوت و تبلیغ، اشاعت اسلام اور قیامِ امن تھا۔
3. مراسلات تقریباً تین سال تک جاری رہے، اس لئے مکاتیبِ نبوی کی تعداد قدیم مورخین کے نزدیک محض ۶ یا ۹ تک محدود نہیں۔

آپ ﷺ کے مکتوبات کی کثیر تعداد پیغمبرانہ سفارت کی اہمیت و افادیت بھی ظاہر کرتے ہیں۔ آج بھی سفارتی تعلقات کی بڑھوتری کے لیے مذاکرات اور باہمی گفت وشنید اہم ترین متصور ہوتے ہیں۔

سلاطین و امراء کو سفارتی مکتوبات

نبی کریم ﷺ نے دعوتِ اسلام کے لیے یہ سفارتی حکمتِ عملی اپنائی کہ نہ صرف مرکزی قوتوں کو مخاطب کیا بلکہ ان مراکز کے تابع دوسرے عناصر کو بھی دعوتِ اسلام دی۔ یعنی ایران و روم کے تحت عرب کے جن علاقوں یا سرحدوں میں ذیلی ریاستیں قائم تھیں ان کو نظر انداز کرکے صرف بڑی طاقت کو ہی دعوت اسلام نہ دی۔ بلکہ سلاطین کے ساتھ ساتھ امراء کو بھی سفارتی مکتوبات بھیجے۔ کیونکہ عرب کے سرحدی علاقوں میں یہ نمائندہ قوتیں بااقتدار تھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے جہاں روم وفارس اور دوسری سلطنتوں کے حکمرانوں کو مخاطب کیا اس کے ساتھ ذیلی حکمرانوں، امراء، روؤساء کو بھی اسلام کی دعوت پیش کی۔ اس میں یہ سفارتی حکمت تھی کہ ذیلی ریاستیں جو مرکز کے لیے قوت کا باعث تھیں، ان کے اسلام قبول کرلینے سے بڑی قوتیں بھی یقیناً متاثر ہوتیں۔ آپ ﷺ نے روم کے بادشاہ "قیصر" فارس کے بادشاہ "کسریٰ" حبشہ کے بادشاہ "نجاشی" مصر کے بادشاہ "عزیز" اور دوسرے سلاطین عرب و عجم کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے۔

روم کے ساتھ سفارت

آپ ﷺ نے سفارتی خط روم کی طرف بھیجا جس کا متن یہ تھا: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى قَيْصَرَ يَدْعُوهُ إِلَى الْإِسْلَامِ ---دَعَا (قَيْصَرُ) بِكِتَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُرِءَ فَإِذَا فِيهِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَىأَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْأَرِيسِيِّينَ وَ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ۔[23] "عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے قیصر کو خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی۔۔۔۔ قیصر نے نبی کا خط منگوایا، وہ اُسے پڑھ کر سنایا گیا، تو اُس میں یہ لکھا ہوا تھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد اللہ کے بندے اور اُس کے رسول کی جانب سے ہر قل شاہ روم کی طرف اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کو قبول کرلے، امابعد، میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرلو، سلامت رہو گے۔ تم اسلام قبول کروگے تو اللہ تمھیں دوہرا اجر دے گا۔

اگر تم نے اِس سے روگردانی کی تو تمھاری رعایا کا گناہ بھی تمھارے اوپر ہو گا۔ (اللہ فرماتا ہے کہ تم) کہہ دو، اے اہل کتاب اُس کلمے کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے۔ یعنی یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں گے، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور نہ ہم میں سے کوئی آپس میں ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب بنائے گا۔ پھر اگر وہ اِس سے منہ موڑتے ہیں، تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو فرمانبر دار ہیں۔

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے سفیر حضرت وحیہ کلبیؓ کے ذریعے قیصر روم کو مکتوب روانہ کیا۔ تو اس کے ساتھ ساتھ سلطنتِ روم کے ماتحت تمام علاقوں کے فرمانرواؤں کو بھی مکتوبات بھیجے۔ ان میں یہ مکتوبات اہمیت کے حامل ہیں:

حارث بن ابی شمر الغسانی (حاکمِ اسکندریہ)

جبلہ بن الایہم (حاکمِ دمشق)

فروہ بن عمرو الجذامی (حاکم شام)

ضغاطر اسقف (عاملِ بلقاء)

سرداران قبیلہ لخم، کلب، داریون اور بلی وغیرہ

گویا سلطنتِ روم اور ان کے پورے زیرِ اثر علاقہ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا ہدف بنایا۔

کسریٰ ایران سے سفارت

ایران کے شہنشاہ کسریٰ کو جو خط لکھا گیا اس کا مضمون یہ تھا:من محمد رسول االله الی کسریٰ عظیم الروم سلام علی من اتبع الهدیٰ و أ من باالله و رسوله و اشهد ان لا اله الا االله وحده لاشریک له و ان محمد عبده و رسوله ، ادعوک بدعایة االله فانی رسول االله الی الناس کافة لأنذر من کان حیاً و یحق القول علی الکافرین فاسلم تسلم فان ابیت فان اثم المجوس علیک۔[24] ”محمد اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے کسریٰ، حاکم فارس کے نام، سلام اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ یکتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تجھے اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق دعوت (اسلام) دیتا ہوں، اس لئے کہ میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں تاکہ جو لوگ زندہ ہوں انہیں (اللہ سے) ڈراؤں اور کفار پر اللہ کی حجت (بات) پوری ہو جائے۔ اسلام لے آؤ، سلامت رہوگے، ورنہ تمام مجوس کے اسلام نہ لانے کا گناہ تجھ پر ہو گا“

دوسری جانب سلطنتِ فارس اور اس کے ماتحت عام امراء و رؤسا کو بھی مخاطب کیا۔ اس سلسلہ میں کسریٰ پرویز کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل کو بھی دعوتِ اسلام دی:

ثمامہ بن اثال اور ھوذة بن علی (شاہِ فارس)

منزر بن ساویٰ اور ھلال بن امیہ (حاکمانِ یمامہ)

(حاکمانِ بحرین) ھرمزان
سرداران قبیلہ بکر بن وائل

مقوقس شاہِ مصر سے سفارت

نبی نے اپنی سفارتی حکمت عملی کے تحت ایک گرامی نامہ جریج بن متی کے نام روانہ فرمایا جس کا لقب مقوقس تھا اور جو مصر و اسکندریہ کا بادشاہ تھا۔ خط کو پہنچانے کے لئے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ (رضی اللہ عنہ) کا انتخاب فرمایا گیا۔ نامہ گرامی یہ ہے:" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم "اللہ کے بندے اور اسے کے رسول محمد کی طرف سے مقوقس عظیم قبط کی جانب۔ میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لاؤ سلامت رہو گے۔ اور اسلام لاؤ اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ لیکن اگر تم نے منہ موڑا تو تم اہل قبط کا بھی گناہ ہو گا۔ "اے اہل قبط! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے بعض، بعض کو اللہ کے بجائے رب نہ بنائیں۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں"۔[25]

نبی کریم ﷺ کے مختلف امراء و سلاطین کو ارسال کردہ یہ مکتوبات اس امر کو بھرپور عکاس ہیں کہ سفارت کا اولین مقصد و منشاء دعوتِ اسلام اور رضائے الہیٰ کا حصول ہے۔ آپ ﷺ نے ہر امیر یا بادشاہ کو جو خط لکھا وہ اس کے ملک کی روایات سے آپ ﷺ کی بخوبی آگاہی کا عکاس تھا نیز ان خطوط کو لے کر جانے والے قاصد بھی اسی لحاظ سے منتخب کے گئے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے سفارتی مکتوبات، معاہدات اور حکمت عملی سے آپ ﷺ کی دور اندیشی اور سیاسی بصیرت ظاہر ہوتی ہے جس کی دورِ حاضر میں بھی فعالیت مسلمہ ہے۔

خلاصہ بحث

بین الاقوامی تعلقات میں سفارت کاری اہم ترین کردار ادا کرتی ہے۔ سفارت کے مقاصد و اہداف ہر زمانہ اور ریاستی امور کے لحاظ سے متنوع رہے ہیں۔ سفارت کاری کے مقاصد اکثر دیگر ریاستوں کے تعلقات استوار کرنا، اس ملک کے حکمران و عوام سے متعلق معلومات حاصل کرنا، اپنے خیالات و ثقافت کی دوسری ریاست تک ترسیل، خصوصی مراعات کا حصول اور امن و امان کا قیام وغیرہ ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے دعوتِ اسلام اور بین الاقوامی تعلقات کے قیام کے لیے حکمرانوں اور رؤساء کو خطوط لکھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو سفارتی حکمت عملی اپنائی اس کا مقصد محض ان دنیاوی مفادات کا حصول نہ تھا بلکہ اس کا مقصد دعوتِ اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔ آپ ﷺ نے مکتوبات، سفراء و وفود کی آمد و رفت، مذاکرات اور معاہدات مختلف مناہج اپناتے ہوئے قومی و بین الاقوامی سفارتی تعلقات استوار کیے۔ آپ ﷺ نے شاہِ حبشہ سے برادرانہ بنیادوں پر سفارتی تعلقات قائم کیے اور بعد ازاں شاہِ حبشہ نے دینِ حق سے متاثر ہو کر ایک قاصد کے مکتوب لانے پر برضا و خوشی اسلام قبول کر لیا۔ یہود سے میثاقِ مدینہ اور خیبر کے موقع پر قومی سطح کے سفارتی تعلقات قائم کیے تاکہ اندرون عرب امن و امان رہے۔ مشرکین مکہ سے صلح حدیبیہ کے لیے بے نظیر سفارتی مثال قائم کی۔ اسی طرح قیصر و کسریٰ اور دیگر حکمرانوں کو بھی خطوط لکھے اور اپنے سفیروں کے ذریعے اسلام کا بھرپور مقام پر چار کیا۔ مختلف مواقع پر آپ ﷺ نے مختلف نوعیت کی سفارتی حکمت

عملی اختیار کی۔ دورِ حاضر میں جب بیشتر ریاستیں آپس میں تنازعات کا شکار ہیں، بین الاقوامی روابط کو انسانی فلاح کے لیے الہامی خطوط پر استوار کرنے کے لیے آپ ﷺ کی سفارتی حکمت عملی بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے سفارتی تعلقات کو ایک نہی نہج عطا کی جس میں سفارت کا مقصد ذاتی و قومی مفادات سے وسیع تر تھا۔ یہ سفارت علاقائی، وقتی اور دنیاوی نوعیت کی نہ تھی بلکہ عالمگیر اور ہمہ گیر تھی۔ عصرِ حاضر میں قومی و بین الاقوامی تنازعات کو حل کرنے اور انسانیت کی ابدی فلاح کے لیے یہ پیغمبرانہ سفارت مشعلِ راہ ہے۔

References

[1] Attiyatullah, Ahmed. Al Qamus us Siyasi, Publisher No found, Beirut, N.D, p 644

[2] Al Aqili, Muhammad Arshad, As Safarat un Nabviyyah, Ahya ul Uloom, Beirut 1986, p 15

[3] Annan, Muhammad Abdullah Mwaqif Hasimah fi Tareekh ul Islam, Daru Zahwa Li Nashar, Cairo, 1962, p 208

[4] Ibn e Abdul Bir, Al Isteeab fi Ma'arfat ul As'hab, Daira tul Ma'arful Nazamiyyah, Hyderabad, 1336 A.H, v 2, p 415

[5] Urdu Dairah Ma'araful Islamiyah, Danish Gah Punjab, Lahore, 1968, v 23, p 359

[6] Gullep Pasha, Muhammad Rasool Ullah (PBUH), Citizen Publishers, Karachi, N.D, p 198

[7] Ibne Saad, Muhammad, Tabqat ul Kubra, Dar as Sadir, Beirut 1958, v 1, p 344

[8] Urdu Dairah Ma'araful Islamiyah, v 23, p 360

[9] Muhammad Yunas, Doctor, Rasool Allah ka Safarti Nazam, Uloome Shariyah Printer, Lahore, 1996, p 308

[10] Tahir ul Qadri, Muhammad, Misaq e Madina ka Aini Tajurba, Minhaj ul Quran Printers, 1999, p 94

[11] Wahba Az Zuhaili, Doctor, Al Ilaqat al Dauliyah fil Islam, Moassast ur Risalah, Beirut, 1981, p 158

[12] Al-Aqili, Muhammad Arshad, As Safarat un Nabviyah, Ihyam ul Uloom, Beirut, 1986, p 15

[13] -Mahiri, Saeed bin Abdulah Harib, Al Ilaqat u Kharijiyah Lil Dolat wal Islamiyah, Moassat ur Risalah, Beirut, 1995, p 22

[14] Ibn-e-Hasham, As Sirat un Nabviyyah (Sirat Ibne Hasham), Mustafa Al Babi Al Halbi, Egypt, 1355, v 1, p 344

[15] Ibne Kathir, Imadudin, Al Hidayah wa Nihayah fi Tareekh, Matbatu Sa'adah, Egypt, 1932, v 3, p 69

[16] Ibid, p 308-309

[17] Ibn-e-Saad, Al Tabqaat-ul-Kubra, v 1, p 381

[18] Ibn-e-Hasham, Abu Muhammad Malik, Sirat Ibne Hasham, Mutrajam: Muhammad Ahsan ul Haq Sulaimani, Maqbool Academy Urdu Bazar Lahore, 2003, v 3, p 280

[19] ibid

[20] Ibn-e-Saad, Al Tabqaat-ul-Kubra, v 1, p 208

[21] Tibri, Tareekh ul Umam wal Malook, v 2, p 235

[22] Jamia Tirmidhi, Bab ma ja'a fi kitabihi…, Hadith 2716

[23] Bukhari, Kitab ul Jihad wa Sir, Hadith 2941

[24] Al-Mahiri, Saeed bin Abdulah Harib, Al Ilaqat u Kharijiyah Lil Dolat wal Islamiyah, Moassat ur Risalah, Beirut, 1995, p 144

[25] Mubarakpuri, Safi-ur-Rehman, Maulana, Ar-Raheeq ul Makhtoom, Al Maktaba Salifyah, Lahore, 2002, p 479-480